بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرّم مراد

بابری مسجد کی شہادت کے المناک حادثہ پر ہر مسلمان کا دل سوگوار ہے' اور اس کا وجود سراپا احتجاج۔

۶ دسمبر ۱۹۹۲ کو بھارت کے ہندو جنونیوں نے ۱۵۲۶ میں ظہیرالدین بابر کے دور میں تعمیر کردہ اس تاریخی مسجد کو مسمار کردیا۔ یہ وہ ہندو جنونی ہیں جو مسلمانوں کو الٹی میٹم دے چکے ہیں کہ بھارت میں رہنا ہو تو ہندو بن کر رہو' ورنہ ملک چھوڑ کر چلے جاؤ۔ یہ بھارت کو ایک ایسا ملک بنانے پر تلے ہوئے ہیں جہاں بسنے اور جینے کا حق صرف ہندوؤں کو حاصل ہو۔ بابری مسجد کے انہدام نے ان کے عزائم کی تکمیل کا دروازہ کھول دیا ہے۔ ان کو اپنی حکومتوں کی پشت پناہی بھی حاصل ہے۔ بابری مسجد کا حادثہ یوپی کی صوبائی حکومت کی عملاً شرکت' مرکزی حکومت کی عمداً چشم پوشی' اور عدالتوں کی طرف سے التوا و تاخیر کی روش کے بغیر وقوع پذیر ہونا ممکن نہ تھا۔

بابری مسجد ڈھانے کے بعد' ان ہندوؤں کے پاس اور ہزاروں مساجد کی فہرست ہے جن کو مسمار کرکے یہ مندر تعمیر کرنے کا منصوبہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ' بقول ان کے' یہ مساجد' مندر منہدم کرکے تعمیر کی گئی تھیں۔ یوپی اور سی پی میں بھارتی جنتا پارٹی کی حکومتوں نے حکومتی اقدامات کے ذریعے مسلمانوں کی تعلیم' معاشرت اور ثقافت کو ہندو مت کے رنگ میں رنگنے کی ایک منظم مہم شروع کرر کھی ہے۔ مسلمانوں کو خوف و طمع کے ذریعہ ہندو بنانے کی سرگرمیاں بھی زور و شور سے جاری ہیں۔ ان پر تعلیم' ذرائع معاش' ملازمتوں اور تجارت کے دروازے تقریباً بند ہیں۔ ان کو دوسرے نہیں بلکہ تیسرے درجے کا شہری بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے خون سے روز ہی ہولی کھیلی جاتی ہے۔ بابری مسجد کی شہادت پر احتجاج ہی کی سزا میں ہزاروں مسلمان شہید کیے جاچکے ہیں' ٹرینوں سے گھسیٹ گھسیٹ کر مسلمانوں کو ذبح کیا گیا ہے' محلے کے محلے جل رہے

ہیں۔

بابری مسجد کی شہادت نے بھارتی سیکولرازم کی مسلم دشمنی کے بھیانک چہرہ کو بالکل بے نقاب کردیا ہے۔ وہ مسلمان حکمران جنہیں ہمیشہ مسلمان بھائیوں کے مقابلہ میں ہندو بھارت زیادہ عزیز رہا ہے' اگر اب بھی اپنی بھارت نوازی کی روش پر گامزن رہیں تو ان کی بے حسی اور بے شرمی پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہو گا۔ مغرب کے ان دانشوروں اور سیاستدانوں کی آنکھیں بھی کھل جانا چاہئیں جو ہمیشہ ہندو مت' گاندھی اور اہنسا کے گُن گاتے رہتے ہیں' جنہوں نے کبھی پاکستان کو قبول نہیں کیا ہے' اور جن کو صرف مسلمان ہی جنونی ومتشدد مذہبیت کا علم بردار نظر آتا ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ بابری مسجد بہرحال اینٹ پتھر کی ایک عمارت ہی تو تھی۔ اسی ایک مسجد پر اتنا واویلا کیوں؟ مشرقی پنجاب میں سیکڑوں مساجد ہندوؤں اور سکھوں کے قبضہ میں ہیں' بوسنیا میں ۶۵۰ مساجد مسمار یا تباہ کی جاچکی ہیں' اسپین اور سسلی سے مساجد کا نام و نشان مٹایا جاچکا ہے' مسجدِ قرطبہ جیسی مسجد میں بھی نماز پڑھنا ایک جرم ہے! لیکن بات یہ ہے کہ بابری مسجد کا انہدام صرف ایک مسجد کا انہدام نہیں' یہ اسپین' سسلی' مشرقی پنجاب اور کشمیر کی طرح ہندوستان میں مسلمانوں کے آثار' نام و نشان' تہذیب و ثقافت اور دین و ایمان کو مٹانے کے عمل کا آغاز ہے۔ اگر امتِ مسلمہ اور عالمی رائے عامہ نے اس اقدام کی بھرپور مزاحمت نہ کی' اور بھارت کو مجبور نہ کیا کہ وہ بابری مسجد کو اسی شکل میں اور انہی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کرے' تو پھر جنونی اور فرقہ پسند ہندوؤں کو مسلمانوں کے مکمل استیصال کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے سے روکنا محال ہوجائے گا۔

اس مقصد کے لیے نہ مذمتی بیان کافی ہیں' نہ آنسو بہانے سے کچھ حاصل ہے۔ نہ اقوامِ متحدہ میں یہ مسئلہ اٹھانے سے کوئی نتیجہ برآمد ہوگا۔ اقوامِ متحدہ تو عراق کی فوجی طاقت تباہ کرنے کے لیے کارروائی کرسکتی ہے' سوڈان کو سرزنش کرنے کے لیے صومالیہ میں فوجیں اتار سکتی ہے' لیکن فلسطین' کشمیر' بوسنیا' ہندوستان میں مسلمانوں کے کشت و خون اور بابری مسجد جیسے مسائل سے اسے کیا دلچسپی۔ بے اختیار عوام تو صرف آنسو بہا سکتے تھے' احتجاج کرسکتے تھے' جلوس نکال سکتے تھے' نعرے لگاسکتے تھے۔ مگر جو بااختیار ہیں' صاحبِ اقتدار ہیں' ان کو ٹھوس' عملی اور مؤثر اقدامات اٹھانا چاہئیں۔ اِلّا یہ کہ ان کی نیت اس مسئلہ کو بھی گردشِ زمانہ کی نذر کردینا ہو' اور انہیں یہ مسئلہ "سیاسی" نہیں بلکہ "مذہبی" نظر آتا ہو' اور مذہبی مسئلہ پر کسی کارروائی سے ان کو اپنی مادی و معاشی ترجیحات خطرہ میں پڑتی نظر آتی ہوں' یا بین الاقوامی چڑیا گھر میں شور و غوغا سے

ڈر لگتا ہو۔

اس سلسلے میں سب سے بڑھ کر ذمہ داری پاکستان کے حکمرانوں' پر' اور سارے پاکستانیوں پر' عائد ہوتی ہے۔ پاکستانی قوم تو خبر سنتے ہی سراپا احتجاج بن گئی۔ وزیراعظم کے اعلان سے پہلے ہی' اگلے ہی دن' ملک بھر میں کاروبارِ زندگی تھم گیا' سڑکیں جلوسوں سے بھر گئیں' فضا نعروں سے گونج اٹھی۔ قوم اس کے علاوہ اور کیا کرسکتی تھی۔ لیکن ہمیں بڑے درد اور تاسف سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ جناب وزیراعظم اور ان کی حکومت ملتِ اسلامیہ کے مفاد کے تقاضوں اور قوم کی توقعات کو پورا کرنے میں بالکل ناکام رہی ہے۔ آج یہ سطور لکھنے تک اس سانحہ کو تقریباً ایک ہفتہ ہوچکا ہے' مگر ان کی طرف سے ایک بھی عملی اقدام نہیں کیا گیا ہے جو کسی درجہ میں بھی بھارت پر دباؤ ڈالنے' یا امتِ مسلمہ کو انگیخت کرنے' یا بین الاقوامی رائے عامہ کو ہموار کرنے میں کامیاب ہوسکتا۔ ان کی طلب کردہ آل پارٹیز کانفرنس نے بھی' جو انہی کی بے تدبیریوں کی وجہ سے نہ ''آل پارٹیز'' بن سکی نہ کسی درجہ میں بھی حکومت کے علاوہ بقیہ قوم کی نمائندہ' ایک ایسا اعلامیہ جاری کرنے کے علاوہ کچھ نہ کیا' جس کو دیکھ کر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اگر اقتدار سے باہر چند جماعتیں بھی مل بیٹھتیں تو ایسا صرف مذمت' جذبات اور نیک خواہشات پر مشتمل اعلامیہ وہ بھی جاری کرسکتی تھیں۔ یہ کانفرنس وزیراعظم پاکستان نے بلائی تھی' پوری حکومت اس میں شریک تھی' پھر کیا اس کے بطن سے یہی خالی خولی الفاظ کا مجموعہ برآمد ہونا تھا۔

رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند۔ لیکن ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر ان کی نظر میں سفارتی تعلقات منقطع کرنا اس حادثہ کی سنگینی کے باوجود ایک انتہاپسندانہ اقدام تھا' تب بھی اس اقدام میں کیا امر مانع تھا کہ دہلی میں پاکستانی سفیر کو فوراً واپس بلا لیا جاتا' عارضی مدت کے لیے صلاح مشورے کے نام ہی سے سہی؟ کیا نقصان ہوجاتا اگر تجارتی تعلقات (اگر منقطع نہیں تو) معطل کر دیے جاتے' اور پاکستانی بازاروں سے بھارتی مال اٹھوا دیا جاتا؟ کیا خطرہ لاحق ہوجاتا اگر کراچی میں بھارتی قونصل خانہ بند کردیا جاتا' جب کہ یہ حادثہ نہ ہوتا تب بھی بھارت بمبئی میں پاکستانی قونصل خانے کی اجازت نہ دے کر اس اقدام کے لیے مکمل قانونی اور سفارتی جواز فراہم کرچکا تھا؟ کیا رکاوٹ تھی کہ اسلامی ممالک کی تنظیم کے وزرائے خارجہ کا فوری اجلاس طلب کرلیا جاتا؟ کیا زحمت اٹھانا پڑتی کہ' اگر وزیراعظم خود نہ جاسکتے' تو فوراً اعلیٰ سطحی وفود پوری دنیا میں' اور خصوصاً مسلمان ممالک کی طرف' روانہ کردیتے تاکہ وہ امتِ مسلمہ اور بین الاقوامی رائے عامہ کو ہموار کرنے کا کام کرتے؟ کیا ہمارے سفارت خانوں ہی کو کوئی فوری ہدایات جاری کی گئیں؟

کیا ان کو بابری مسجد کیس کے بارے میں سارے ضروری حقائق اور معلومات فراہم کی گئیں؟ یہ اور ایسے بہت سارے سوالات ہیں جن کا جواب حکومت کے ذمے ہے۔ ہم یہ حسنِ ظن رکھتے ہیں کہ ملک کی ساری قابلِ ذکر جماعتیں بابری مسجد کے معاملہ پر کم و بیش ایک ہی قسم کے جذبات رکھتی ہیں۔ اگر ان سب کا وزیرِ اعظم کی دعوت پر مل بیٹھنا اور ایک متفقہ لائحہ عمل تیار کرنا دشوار یا مشکل ہو رہا ہے' تو متذکرہ بالا اقدامات کا مطالبہ تو پاکستان کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ عوام کے اس متفقہ لائحہ عمل کے کسی ایک ہی جز کو بھی عملی جامہ پہنانا کیوں مشکل یا ناممکن ہو گیا ہے۔

اگر ملک کی ساری جماعتیں بابری مسجد کے معاملہ پر مل کر نہیں بیٹھ سکی ہیں تو اس کی واضح وجوہات ہیں۔ اور اس ضمن میں جناب وزیرِاعظم اور اپوزیشن دونوں کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

ملک کے وزیرِ اعظم کو کسی ایک پارٹی کا لیڈر اور صرف اپنی حکومت کا سربراہ ہی نہیں ہونا چاہیے' اس کو قوم کا لیڈر بھی ہونا چاہیے۔ ایک قومی لیڈر کی حیثیت سے اس کا سب سے بڑھ کر یہ فرض ہے کہ وہ مختلف جماعتوں' طبقات' اور نقطہ ہائے نظر کے درمیان تنازع اور محاذ آرائی کو کم سے کم کرے' ان کے درمیان اتفاق و توافق اور یک جہتی کو زیادہ سے زیادہ بڑھائے' تلخیوں کا زہر گھولنے کی بجائے تلخیاں کم کرنے کی اور محبت و تعاون میں اضافہ کرنے کی کوشش کرے۔ قومی نوعیت کے مسائل میں ذات' پارٹی' اور حکومت سے بالا تر ہو کر لوگوں کو متفق و متحد کر کے ایک آواز اور ایک موقف کا حامی بنائے۔ بابری مسجد کے مسئلہ کی حد تک محض آل پارٹیز کانفرنس کا کر لینا فی نفسہٖ کوئی ہدف اور مقصد نہ تھا۔ ہدف اور مقصد تو زیادہ سے زیادہ اتفاق رائے پیدا کرنا ہونا چاہیے تھا' کہ قوم کے یک زبان ہونے ہی سے بابری مسجد کے مقصد کو تقویت پہنچ سکتی تھی۔

حکومت نے ایک آل پارٹیز کانفرنس تو کر لی' لیکن حکومت میں شامل پارٹیوں کے علاوہ اس کانفرنس میں کسی اور پارٹی کو شریک نہ کر سکی۔ ادھر جس وقت اسلام آباد میں حکومت کی طلب کردہ کانفرنس ہو رہی تھی' ٹھیک اسی وقت لاہور میں اپوزیشن کی تقریباً" تمام بڑی بڑی پارٹیوں کی کانفرنس ہو رہی تھی۔ یہ بدنما صورتِ حال کیوں پیدا ہوئی؟ اس کے لیے سب سے پہلے جناب وزیرِاعظم اور ان کے شرکائے حکومت کو ذمہ داری قبول کرنا چاہیے۔

انہوں نے اپنی کانفرنس ٹھیک اسی دن اور اسی وقت رکھ دی جس دن اور جس وقت' بقول اپوزیشن' وہ بھی اپنی کانفرنس رکھ چکی تھی۔ شواہد' بظاہر اپوزیشن کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ کیا وہ اپنی کانفرنس دو دن بعد نہ رکھ سکتے تھے؟ اگر اپوزیشن کا یہ الزام درست نہ بھی ہو' اور جناب وزیرِاعظم نے اپنی کانفرنس پہلے ہی بلائی ہو' تب بھی کیا وہ کسروانکسار کر کے اپنی کانفرنس دو دن مؤخر نہ کر سکتے تھے؟ اس طرح اپوزیشن کا یہ عذر ختم ہو جاتا کہ اس کے لیے شرکت ممکن نہیں' یا یہ کہ اس کو غوروخوض کا وقت نہیں ملا۔ اور اگر وہ ' بقول وزیرِاعظم' اگر بابری مسجد پر اپنی سیاست چمکانے کی فکر میں تھی' تو اس طرح اس کے عزائم پبلک کے سامنے عیاں ہو جاتے۔ ہرصورت میں وزیرِاعظم کی اخلاقی اور سیاسی پوزیشن مضبوط ہوتی۔ تواضع اور کسروانکسار سے ان کو بھی فائدہ ہوتا' بابری مسجد کے مقصد کو بھی تقویت پہنچتی۔ جو درخت جھکنا جانتے ہیں' وہی ثمربار ہوسکتے ہیں' جو اکڑے کھڑے رہتے ہیں' وہ بے ثمر رہتے ہیں۔

دوسرے ان کو کانفرنس کا اعلان کرنے سے پہلے ہی سب جماعتوں کے قائدین سے ذاتی طور پر ربط قائم کرنا چاہیے تھا' ان کو قائل اور راضی کرنا چاہیے تھا۔ اس کے برعکس اعلان کے تقریباً ۲۴ گھنٹے بعد' اور کانفرنس سے چند گھنٹے پہلے' ان کے وزراء نے دوڑ دوڑ کر دعوت نامے پہنچانا شروع کیے' یا انھوں نے خود فون کیے۔ ۹ دسمبر کی شام تک اکثر لوگ یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ ہم کو تو اب تک پتہ ہی نہیں چلا کہ ایسی کوئی کانفرنس ہو رہی ہے۔

تیسرے ان کو ہوم ورک کر کے یہ طے کرنا چاہیے تھا کہ حکومت کیا عملی اقدامات اٹھانے کی پوزیشن میں ہے۔ اگر ان کا اعلامیہ صرف الفاظ پر ٹرخائے' اور وہ سب کو متفقہ لائحہ عمل بنانے کی دعوت دیتے رہیں' تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یا تو وہ خالی الذہن ہیں' یا وہ کوئی عملی قدم اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

چوتھی اور آخری بات یہ ہے کہ بحیثیت قومی لیڈر' جس کو کسی وقت بھی ساری قوم کو اپنے ساتھ لے کر چلنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے' ان کو باہمی اختلافات کو تلخی کی اس حد تک نہ لے جانا چاہیے کہ جس کے بعد بات کرنا اور ساتھ بیٹھنا ہی ناممکن ہو جائے۔ گذشتہ چند دنوں میں ان کی' اور ان کے رفقائے کار کی زبان' تعلقات میں تلخی کا زہر گھولتی رہی ہے۔ کبھی "غدار" کہا گیا' کبھی "لات مار کر نکال دینے" کی دھمکی دی گئی' کبھی "کسی قیمت پر بھی ہاتھ نہ ملانے" کا عہد کیا گیا' کبھی "ہاتھ پاؤں توڑ دینے" کی دھمکی دی گئی۔ وزیرِاعظم ہوں یا ان کے وزرا' جو ملک و قوم کو چلا رہے ہوں انہیں یہ زبان زیب نہیں دیتی۔ تلوار کے گھاؤ مندمل ہو

جاتے ہیں، زبان کے گھاؤ مندمل ہو کر نہیں دیتے۔

ہم اپوزیشن سے بھی چند باتوں پر غور کرنے کی دردمندانہ اپیل کرتے ہیں۔ بعض ملی اور قومی امور ایسے ہوتے ہیں جن پر ہر پاکستانی کو تمام اختلافات و تنازعات اور جماعتی مفادات سے بالاتر ہو کر، اور تمام شکایات فراموش کر کے، اپنی سوچ اور پالیسی تشکیل کرنا چاہیے۔ اگر آج بھارت، پاکستان پر حملہ کر دے، تو قوم کے ہر فرد کو سارے اختلافات بھلا کر ان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے جو ملک چلانے کے ذمہ دار ہوں۔ بابری مسجد کا مسئلہ بھی ایک ایسا ہی مسئلہ ہے۔ اس سے ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت اور دین و ایمان کا مستقبل وابستہ ہے۔ وہ مسلمان جو، مسلمان ہونے کے جرم کے علاوہ، آج تک پاکستان بنانے کے جرم کا بھی تاوان ادا کر رہے ہیں۔ اس لیے ان کی طرف سے ملک کے مسائل اور بابری مسجد کے مسئلہ کو ایک ساتھ نتھی کرنے کی روش کسی طرح صحیح نہیں۔

دوسرے، جناب وزیراعظم نے کتنی ہی بے تدبیریاں کی ہوں اور ان کی طرف سے کتنے ہی دکھ پہنچے ہوں، اس وقت بابری مسجد کے مسئلہ کا تقاضا یہ ہے کہ اپوزیشن بھی کسرِ انکسار سے کام لے کر وزیراعظم کی دعوت قبول کر لے، اور ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کو عملی اقدامات کرنے پر مجبور بھی کرے، اور ان اقدامات میں ان کے ساتھ تعاون بھی کرے۔

جہاں تک جماعتِ اسلامی کا تعلق ہے تو وہ ماضی میں ہمیشہ درج بالا روش پر گام زن رہی ہے۔ ۱۹۶۴ میں جنرل ایوب خاں نے جماعتِ اسلامی کے خلاف گندی مہم چلائی، اسے غیر قانونی قرار دیا، اس کی قیادت کو ۹ ماہ جیل میں رکھا، لیکن جب ۱۹۶۵ کی جنگ شروع ہوئی تو سید مودودیؒ دوسرے قومی لیڈروں کے ہمراہ، صدر ایوب کے بلانے پر ان کے پاس گئے، اور جنگ میں ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ ۱۹۷۱ کے حادثہ کے بعد، جب جناب بھٹو شملہ مذاکرات کرنے کے لیے ہندوستان گئے، تو اس وقت کے امیرِ جماعت، میاں طفیل محمد صاحب نے ائیرپورٹ جا کر ان کو رخصت کیا، تاکہ بھارت کو یہ معلوم ہو جائے کہ، سارے اختلافات کے باوجود، قوم بھارت کے خلاف متحد ہے۔ حالانکہ جناب بھٹو نے جماعت کے ساتھ، اور ذاتی طور پر محترم میاں صاحب کے ساتھ، عناد اور بدسلوکی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

جماعتِ اسلامی کو اپوزیشن اور وزیراعظم دونوں کی طرف سے شرکت کی دعوت ملی تھی۔ اگر ہمیں ذرہ برابر بھی یہ احساس ہوتا کہ ان میں کسی ایک یا دونوں کانفرنسوں میں ہماری شرکت سے بابری مسجد کے مقصد کو تقویت پہنچے گی، تو ہم سر کے بل وہاں جاتے۔ نہ ہمیں محترمہ بے نظیر

بھٹو کے پاس جانے میں عار ہوتا' نہ جناب وزیرِاعظم کے پاس جانے میں۔ لیکن جب ہم نے محسوس کیا کہ بابری مسجد تو اب پس پشت چلی گئی ہے' اور اب ان کانفرنسوں میں شرکت کسی فریق کی تقویت کا باعث ہو گی' نہ کہ بابری مسجد کے مقصد کی تقویت کا' تو ہم نے یہی فیصلہ کیا کہ ہم دونوں سے علیحدہ رہیں۔ لیکن اگر آج بھی کوئی ایسی کانفرنس ہو جس کا مقصدِ وحید بابری مسجد ہو' تو ہم اس میں ضرور شریک ہوں گے۔

بابری مسجد کا سانحہ بڑا دل دوز سانحہ ہے۔ لیکن یہ دل کی زندگی اور بالآخر ملت اور انسانیت کی زندگی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو افتاد بھی پڑتی ہے وہ' اگر اتمامِ حجت اور عذاب کے لیے نہ ہو' ہمیشہ اپنے اندر ذکروانذار کا سامان رکھتی ہے۔ اس کے اندر یہ پیغام مضمر ہوتا ہے کہ جاگو' اپنی حالت بدلو' اور قدم بڑھاؤ۔

فلسطین ہو' کشمیر ہو' بوسنیا ہو' بھارت ہو' سری لنکا ہو' برما ہو' صومالیہ ہو ---- یہ سب قدرت کی طرف سے تذکیروانذار کا سامان ہے۔ یہ سب مسلمانوں کے لیے قدرت کے اشارے ہیں کہ مستقبل میں امامت عالم ان کی منتظر ہے۔ بشرطیکہ وہ سوچیں کہ یہ سب کچھ کیوں پیش آ رہا ہے' اور اس کا علاج کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں نبوتِ محمدیؐ کے خصائص بتاتے ہوئے ایک بات یہ بھی فرمائی کہ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا (ساری زمین میرے لیے مسجد بنا دی گئی ہے)۔ اس جملہ کے ایک معنی تو یہ ظاہر ہیں کہ مسلمان روئے زمین پر کسی جگہ بھی عبادت کر سکتا ہے' وہ کسی عبادت گاہ یا مسجد کا محتاج نہیں۔ لیکن اس بات کے معانی میں ایک عہد بھی مضمر ہے کہ نبوتِ محمدیؐ' اور اس کے وارث' ساری زمین کو مسجد بنانے کے مشن پر مامور ہیں' اور ایک بشارت بھی کہ اس نبوت کے نتیجہ میں ساری زمین مسجد بننے والی ہے۔ چنانچہ یہ بشارت پوری ہوئی' اور دنیا نے وصالِ نبویؐ کے بعد چند ہی سالوں میں اپنی چشمِ سر سے اس کی تکمیل کا نظارہ دیکھ لیا۔

مسجد' خواہ وہ مسجدِ نبوی ہو یا مسجدِ قرطبہ یا بابری مسجد یا بادشاہی مسجد' صرف اس لیے نہیں بنائی جاتی کہ روئے زمین کے ایک گوشہ کو نماز اور قیام و سجود کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ ہجرت کے فوراً بعد مسجدِ نبویؐ کی تعمیر' نماز کے لیے جماعت کی شرط' جمعہ کے لیے دوڑ پڑنے کا حکم' جہاں مسلمان بسے وہاں سب سے پہلے مسجد کی تعمیر--- یہ سب مسجد کی اس حقیقت کو عیاں

کرتے ہیں کہ اس کا مقصد روئے زمین کو مسجد بنانا ہے۔ جس طرح مسجدِ نبویؐ سے وہ نور نکلا جس نے سارے عالم کو منور کر دیا' اسی طرح ہر مسجد کو اس نور کا مخزن و منبع ہونا چاہیے جو اپنے ماحول کو منور کر دے۔

آج دنیا میں ایک ارب مسلمان ہیں لیکن اپنے مشن سے غافل' اور لاکھوں مسجدیں ہیں لیکن اس نور سے خالی۔ نتیجہ یہ ہے کہ سارا عالم ایک خارزار جنگل بن گیا ہے' اور سنتِ الٰہی کے مطابق اس خارزار جنگل کا سب سے زیادہ خارزار حصہ اسی امت کے حصہ میں آیا ہے جس کو اس عالم کو باغ و بہار بنا کر رکھنے کا مشن سپرد کیا گیا تھا۔

چنانچہ آج مسلمان پر ہر جگہ جو افتاد پڑ رہی ہے اس پر افسوس تو فطری اور بجا ہے' تعجب و یاس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ تاریخ کی گردش نے مسلمان کو پھر اس مقام پر لا کر کھڑا کر دیا ہے جہاں قدرت' اقبال کے الفاظ میں' اسے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اگر وہ' امامتِ مسجد سے گزر کر' امامتِ عالم کا فریضہ ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے' تو ساری زمین مسجد بننے کی منتظر ہے' عصرِ حاضر کی روح شرعِ پیغمبر کے آشکار ہونے کے انتظار میں مضطرب و بے چین ہے' اور فردا اسلام کا مقدر ہے ۔

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا
تقدیرِ اُمم کیا ہے؟ کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا